Fikr-e-Iqbal
Vol 2 No 1, 2025

Iqbal’s Poetry and Feminism

کلامِ اقبال اور تانیثیت

Dr. Asma Rani
Associate, Professor, Government Sadiq College Women's University, Bahawalpur
Correspondence: asmarani@gmail.com

Abstract

The poetry of Allama Iqbal (1877–1938) represents a profound synthesis of spiritual, cultural, and political ideas in South Asian Muslim thought. Within this framework, the question of womanhood emerges as a significant dimension, engaging both with Islamic tradition and modern feminist debates. In works such as Bang-e-Dra and Zarb-e-Kalim, Iqbal presents women not merely as aesthetic muses but as active agents in shaping the destiny of nations. As a mother, she is described as “the first school of humanity,” while as a wife and companion, she is envisioned as a moral and spiritual partner in the collective struggle for freedom and self-realisation. His verses in Payam-e-Mashriq further emphasise women’s intellectual and creative potential, advocating education and dignity within the ethical framework of Islam.

However, from a feminist perspective, Iqbal’s discourse often situates women within familial and cultural roles rather than independent individual identities, which creates tension when compared to modern notions of gender equality. While he rejects Western models of emancipation that detach women from spirituality, he simultaneously resists patriarchal stagnation by calling for women’s empowerment through knowledge, faith, and social participation.

This study argues that Iqbal’s vision of womanhood cannot be confined to either conservative or liberal frameworks. Instead, it represents a civilizational philosophy where women are both symbols and agents of cultural renewal. Thus, Iqbal’s poetry opens critical avenues for feminist re-readings of classical texts, offering a dialogue between tradition and modernity.

Keywords:
Iqbal, Feminism, Womanhood, Islamic Thought, Cultural Renewal.

Received: 25-09-2025 **Accepted:** 01-12-2025 **Online:** 31-12-2025

Licensed under CC BY-NC 4.0 (Non-Commercial, Attribution).
2025 [Author]. All rights reserved.

مغرب میں تانیثیت کی تحریک اس وقت اٹھی جب عورت کو معاشرتی حقوق سے محروم رکھا گیا تھا۔ اس ردِ عمل میں مرد وزن کی مساوات کا نظریہ ابھرا، مگر یہ تصور افراط و تفریط کا شکار ہو کر فطری اور اخلاقی حدود سے نکل گیا۔ نتیجتاً عورت گھریلو اور سماجی ذمہ داریوں سے آزاد ہو کر معاشرتی توازن کو بگاڑنے لگی۔

مشرقی معاشروں، خصوصاً پاکستان و بھارت میں، عورت کی حالت مغرب جیسی نہیں۔ یہاں عورت کے مسائل کا حل اسلام نے پہلے ہی واضح کر دیا ہے—مثلاً شوہر کی بد سلوکی، حقِ طلاق، اور تعددِ ازدواج جیسے معاملات میں قرآن و سنت کی رہنمائی موجود ہے۔ اس لیے مغربی آزادی کی تقلید بے سود ہے۔

اسلام نے عورت کو چودہ سو سال پہلے مساوی انسانی حیثیت، عزت، اور حقوق دیے رسولِ اکرم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ کو کامل ایمان کی علامت قرار دیا۔ اسلام عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا تکملہ مانتا ہے—مرد قوام ہے مگر عورت کے بغیر اس کا وجود نامکمل ہے۔

اردو شاعری کے ابتدائی ادوار میں عورت کی تصویری تشکیل محض حسن و جذبات کے دائرے میں محدود رہی۔ اس کے وجود کو بیشتر شعراء نے محبوب، معشوق اور جمالیاتی علامت کے طور پر پیش کیا، نہ کہ ایک مکمل انسان یا سماجی حقیقت کے طور پر۔ اردو غزل اور مثنوی کی اساس ہی عشق، وصال، فراق اور حسن و جمال کی طلسمی فضا پر رکھی گئی۔ قلی قطب شاہ سے لے کر حالی تک، بیشتر شعرا نے عورت کو صرف جذبات و احساسات کی علامت کے طور پر دیکھا، اس کے فکری، سماجی اور روحانی پہلو سے چشم پوشی کی۔ یہ بھی ایک ادبی المیہ ہے کہ ابتدائی اردو شاعری میں عورت کی تخلیقی آواز خاموش اور غائب نظر آتی ہے۔ عورت کے جذبات، احساسات اور تجربات کو بیان کرنے کا حق عورت کے بجائے مرد شاعر نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ یوں عورت کے چہرے، جسم اور حسن کے تذکرے تو عام ملتے ہیں، مگر اس کی داخلی کیفیات، فکری کرب، اور وجودی سوالات شاعری کے دامن سے غائب ہیں۔ ولی دکنیؔ کا شعر اس رویے کی نمائندگی کرتا ہے:

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے(۱)

یہ شعر نہ صرف اُس دور کے سماجی طرزِ فکر کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ شاعر کے شعور میں عورت کو معاشرتی وجود کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا۔ شاعر کا تجربہ صرف مرد کے گرد گھومتا ہے، گویا عورت زندگی کی مشکلات اور زمانے کے دکھوں سے ماورا کوئی وجود رکھتی ہے۔ یہی رجحان بعد کے ادوار تک کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا۔ علامہ اقبال کے ہاں بھی ابتدا میں مخاطب صرف مرد دکھائی دیتا ہے۔ بالِ جبریل کی دو نظموں:

۱. فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں
۲. روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

میں مرکزی کردار آدمؑ ہے، جب کہ حواؑ کا ذکر سرے سے موجود نہیں۔ یہ وہی واقعہ ہے جسے قرآنِ کریم میں بارہا آدمؑ اور حواؑ دونوں کو یکساں مخاطب کر کے بیان کیا گیا۔(۲)

یہ ادبی خاموشی دراصل اُس فکری فضا کی علامت ہے جہاں عورت کو زندگی کے روحانی و فکری مباحث سے غائب رکھا گیا۔

مغلیہ سلطنت کے زوال اور مغربی تہذیب کی یلغار نے برصغیر کے مسلمان معاشرے میں نئے فکری و تہذیبی سوالات کو جنم دیا۔ اس زوال کے ساتھ ہی اصلاحِ معاشرت، تعلیم، اور عورت کی حیثیت پر غور و فکر کی نئی تحریکات سامنے آئیں۔ ایسے میں سر سید احمد خاں کی تحریکِ علی گڑھ نے معاشرتی بیداری کی بنیاد رکھی، اور اسی فکری فضا میں مولانا الطاف حسین حالیؔ کی اصلاحی شاعری نے عورت کے مقام و مرتبے پر ایک نیا زاویہ پیش کیا۔

حالی پہلے اردو شاعر ہیں جنہوں نے عورت کو انسانی معاشرت کی باعزت، فعال اور بنیادی اکائی تسلیم کیا۔ اُن کے اشعار میں عورت پہلی بار محبت کی علامت نہیں بلکہ عزت، عفت، اور تہذیبی شرافت کی علامت کے طور پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ وہ قوم کی تعمیر میں عورت کے کردار کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ے اے ماؤں، بہنو، بیٹیو! قوموں کی عزت تم سے ہے(۳)

یہ مصرعہ محض اخلاقی وعظ نہیں بلکہ فکری بیداری اور نسوانی شناخت کے احیاء کا اعلان ہے۔ حالی نے "مناجاتِ بیوہ" جیسی نظم لکھ کر عورت کے دکھوں، اس کی بے بسی، اور اس کے بنیادی انسانی حقوق کی طرف اہلِ قلم کی توجہ مبذول کرائی۔

سر سید تحریک کے زیرِ اثر تعلیم کا رجحان تو عام ہوا، مگر خواتین کی تعلیم ایک متنازع موضوع بنی رہی۔ سر سید خود اگرچہ عورت کی تعلیم کے مخالف نہیں تھے، مگر اُس وقت کے معاشرتی دباؤ اور مذہبی مزاحمت کے باعث انہوں نے احتیاطی رویہ اختیار کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"جب لڑکوں کی تعلیم کے نظامِ نو پر مخالفت کا ایسا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تو لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر عجب نہیں کہ پورا بیڑا ہی غرق ہو جائے۔"(۴)

یہ جملہ سر سید کے سیاسی و سماجی شعور کا مظہر ہے۔ وہ جانتے تھے کہ براہِ راست خواتین کی تعلیم کی حمایت اُس وقت ایک نیا مذہبی محاذ کھولنے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ ایک ناقد کے مطابق:

"سر سید کی تحریروں اور تقریروں کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ تعلیمِ نسواں کے مخالف نہیں تھے بلکہ اُس وقت کے حالات انہیں اس کی کھلی حمایت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔"(۵)

شہناز نبی اپنی کتاب "فیمینزم: تاریخ و تنقید میں" اس تناظر پر روشنی ڈالتی ہیں:

"ہندوستان میں عورت کا تعلیمی سفر نہایت تاخیر سے شروع ہوا۔ ودیا ساگر، راجہ رام موہن رائے اور سر سید کی تحریک کے زیرِ اثر اگرچہ انگریزی تعلیم کا رجحان عام ہوا، مگر اس کی برکتیں عورتوں تک دیر سے پہنچیں۔"(۶)

اردو کی ابتدائی خواتین ادیبائیں ماہ لقا بائی چندا، محمدی بیگم، حجاب امتیاز علی، نذر سجاد نے بیسویں صدی کے آغاز میں ادب میں اپنا نام رقم کیا، مگر اُن کی تحریریں اب بھی مردانہ بیانیے کے تسلسل کا حصہ تھیں۔ یہ خواتین اگرچہ اصلاحی اور تخلیقی تحریروں کے ذریعے ادبی منظرنامے میں نمودار ہوئیں، مگر فکری تحریک یا نسوانی نظریے کی نمائندہ نہ بن سکیں۔

نذیر احمد جیسے مصلحین نے عورت کی تعلیم کی حمایت کی، مگر اُن کے نزدیک تعلیم کا مقصد عورت کو گھر سنبھالنے کے قابل بنانا تھا، نہ کہ اُسے فکری آزادی دینا۔

یہی وہ ادبی و سماجی پس منظر تھا جس میں علامہ اقبال کا فکر و فن نمو پذیر ہوا۔ اقبال نے اسی روایت کے تناظر میں عورت کے تصور کو نئے فکری و روحانی سانچے میں ڈھالا جہاں عورت صرف محبوب یا صنفِ نازک نہیں بلکہ ملت کی روح، تمدن کی ضامن اور تربیتِ نسلِ نو کی معمار ہے۔ اقبال عورت کے لیے وہی طرزِ زندگی پسند کرتے ہیں جو ابتدائی اسلامی دور میں تھا۔ جب خواتین حیا، شجاعت، تعلیم اور خدمتِ انسانیت میں نمایاں کردار ادا کر رہی تھیں۔

اقبال کے نزدیک عورت کے وقار کی بنیاد حیا، عفت اور خودی ہے۔ وہ مغربی عورت کی طرح معاشی میدان میں بے پردگی کے ساتھ کام کرنے کی قائل نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک عورت کا اصل دائرہ کار تخلیقِ نسل، تربیتِ اولاد اور اخلاقی اقدار کی بقا ہے۔ جنگِ طرابلس میں شہید ہونے والی مجاہدہ فاطمہ بنت عبداللہ کے بارے میں اقبال کی نظم ان کے نسائی تصورِ غیرت اور خودی کی علامت ہے:

ے فاطمہ! تو آبروئے ملت مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی

ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی(۷)

یہ نظم اس بات کی دلیل ہے کہ اقبال عورت کو کمزور نہیں سمجھتے بلکہ عزم و غیرت کی مجسم علامت قرار دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورت اپنی نسوانی فطرت کے ساتھ میدانِ عمل میں آئے، لیکن مغرب کی طرح فطرت کے خلاف بغاوت نہ کرے۔ اقبال، اسلام کی طرح، مرد و زن کے درمیان کلی مساوات کے قائل نہیں بلکہ فطری مساوات کے حامی ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی صلاحیتوں اور فطری ساخت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ اس فرق کا مقصد تفریق نہیں بلکہ تکمیل ہے۔ اقبال کے نزدیک مرد کی قوامیت (قائدانہ ذمہ داری) عورت پر ظلم نہیں بلکہ اس کی حفاظت کا فطری انتظام ہے۔ اقبال کا شعر اس نکتے کو واضح کرتا ہے:

نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد(۸)

یہاں "نگہبان" کا مفہوم سرپرستی اور تحفظ ہے، نہ کہ تسلط۔ اقبال کے نزدیک مرد کی سرداری عورت کی عظمت میں رکاوٹ نہیں بلکہ اس کا محافظ ہے۔ اقبال پردہ کو محض جسمانی حجاب نہیں بلکہ اخلاقی و روحانی حیا کا نام دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک پردہ عورت کو معاشرتی سرگرمیوں سے نہیں روکتا بلکہ اس کے کردار کو وقار بخشتا ہے۔

وہ مروجہ برقعے یا ظاہری پردہ کے قائل نہیں بلکہ اس کیفیت کے حامی ہیں جو عورت کو فطری وقار عطا کرے۔ اقبال عورت کی تعلیم کی بھرپور وکالت کرتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک عورت کی تعلیم دین اور اخلاق کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ وہ مغربی تعلیم کی تقلید کے سخت مخالف ہیں کیونکہ اس سے عورت "نازن" بن کر اپنی نسوانی خصوصیات کھو دیتی ہے اس حوالے سے ان کی نظم "عورت اور تعلیم" دیکھیے۔(۹)

اقبال کی نظر میں تعلیم کا مقصد عورت کو بامقصد، باشعور اور تربیت یافتہ ماں بنانا ہے، نہ کہ اسے مردانہ مقابلہ آرائی میں دھکیلنا۔ اقبال کے نزدیک عورت کی اصل عظمت اس کے جذبۂ امومت میں ہے۔ ماں کی گود ہی وہ اولین درسگاہ ہے جہاں اخلاق، خودی اور کردار کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ وہ مغربی عورت کی طرح ماں کے کردار سے بیزار نہیں بلکہ ماں کو تمدن کی معمار قرار دیتے ہیں:

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت
ہے حضرتِ انسان کے لیے اس کا ثمر موت (۱۰)

اقبال کی نظر میں، مغربی تہذیب کا اثر برصغیر کی عورت کو اس کی اسلامی تہذیب اور اقدار سے بیگانہ کر رہا تھا۔ وہ اس رجحان کو ایک 'میٹھا زہر' سمجھتے تھے جو قوم کے خاندانی نظام اور اخلاقی قدروں کو تباہ کر سکتا ہے۔ ان کا واضح پیغام تھا کہ مسلمان عورتوں کو مغربی طرزِ زندگی کی اندھی تقلید سے بچنا چاہیے اور اپنے دین و اقدار کی امین بننا چاہیے۔ انہوں نے ان ہنرمندوں (شاعر و صورت گر) کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا جو عورت کے خدوخال کو اجاگر کر کے یا اس کے جسم کا بیان لذت کوشی کے لیے کر کے اس کی تقدیس کو پامال کرتے ہیں، اور رومانی بلندیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں:

؎ کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش!
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟
مرد بے کار و زن تہی آغوش!"(۱۱)

؎ ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار(۱۲)

اقبال نے عورت کے وجود کو پاکیزگی اور شرف کی علامت قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک، عورت کی مٹی کی مشت (مشتِ خاک) ثریا سے بھی بڑھ کر عزت و شرف رکھتی ہے، کیونکہ ہر شرف اور قدر کی قیمتی متاع (درِ مکنوں) اسی کے اندر موجود ہے۔ وہ عورت کے تخلیقی جوہر کو اس کی سب سے بڑی طاقت سمجھتے ہیں، جس سے نہ صرف معرکۂ بود و نبود گرم رہتا ہے بلکہ اسرارِ حیات بھی کھلتے ہیں۔ اس حوالے سے اقبال کی نظم "عورت" دیکھیے۔(۱۳)

اقبال نے آزادیِ نسواں کے مغرب سے درآمد شدہ تصور پر گہری تنقید کی ہے۔ وہ اسے 'زہرِ قند' کے مترادف قرار دیتے ہیں، ایک ایسا میٹھا فریب جس کا نتیجہ اخلاقی پستی اور خاندانی انتشار ہے۔ ان کے نزدیک، عورت کو ایسی آزادی نہیں چاہیے جو اسے اخلاقی گراوٹ میں مبتلا کر دے یا اسے شمعِ محفل بنا کر جلوت کی ہوس میں مبتلا کرے۔ وہ یہ فیصلہ خود عورت کی بصیرت پر چھوڑتے ہیں کہ اس کے لیے زیادہ قیمتی کیا ہے: آزادیِ نسواں کا یہ نیا نظریہ یا زمرد کے گلوبند (زیور) کی طرح محفوظ و پروقار زندگی۔

؎ اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند

کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں، معذور ہیں مردان خردمند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادی نسواں کہ زمرد کا گلو بند(۱۴)

ان کی نظر میں، عورت کا سب سے اہم میدان اس کا گھر اور اولاد کی تربیت ہے۔ انہوں نے مغربی تہذیب کی اس تعلیم کو موت قرار دیا جو عورت کو ماں بننے (بار امومت) سے متنفر کر کے اسے اپنی بنیادی ذمہ داریوں سے دور کرے۔ ان کا ماننا تھا کہ کسی قوم کی اصل دولت چاق و چوبند اور محنتی اولاد ہے جس کے دماغ ماں کی تربیت سے روشن ہوں۔

؎ جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اس علم کو اربابِ ہنر موت(۱۵)

اقبال کی تانیثیت (Iqbal's Feminism) دراصل اسلامی تانیثیت کا فکری و شعری اظہار ہے۔ وہ عورت کو آزادی کے نام پر مرد کی ہم پلہ نہیں بلکہ اس کی ہم کار مانتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک عورت کی آزادی کا مطلب فطرت کی تکمیل ہے، نہ کہ اس سے انحراف۔ ان کا نسائی تصور متوازن، اخلاقی، دینی اور تمدنی بنیادوں پر قائم ہے۔ وہ مغرب کی اندھی تقلید کے بجائے اسلام کی روشنی میں عورت کے حقیقی وقار کے حامی ہیں۔

اقبال اردو کے اُن ممتاز شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے شاعری کو صرف جذبات یا رومانیت کے اظہار کا وسیلہ نہیں بنایا بلکہ اسے فکری، روحانی اور تہذیبی بیداری کا مؤثر ذریعہ قرار دیا۔ اُن کے کلام میں انسان، کائنات اور خالق کے باہمی تعلق کو سمجھنے کی ایک مسلسل فکری جستجو نظر آتی ہے۔ اقبال کے نزدیک شاعری محض ذوقی تفریح نہیں بلکہ ایک عہد آفرین ذمہ داری ہے۔ انہوں نے اپنے فکری و فلسفیانہ نظام میں عورت کو نہ صرف باوقار بلکہ متوازن مقام عطا کیا ہے، جو اردو شاعری میں ایک نیا فکری اور اخلاقی زاویہ پیش کرتا ہے۔

اردو شاعری میں اقبال سے پہلے عورت کا تصور زیادہ تر حسن، عشق، اور ظاہری دلکشی کے گرد گھومتا ہے۔ میر، غالب اور دیگر کلاسیکی شعراء کے ہاں عورت ایک محبوبہ، صنم یا ظالم معشوق کے طور پر سامنے آتی ہے۔ اقبال نے اس روایت سے انحراف

کرتے ہوئے عورت کو تمدنی، اخلاقی اور روحانی قوت کے طور پر پیش کیا۔ اُن کے نزدیک عورت زندگی کا بنیادی جوہر ہے جو نسلِ انسانی کی تربیت اور اخلاقی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔

؎ وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں(۱۶)

یہ شعر اقبال کے اس یقین کو ظاہر کرتا ہے کہ عورت زندگی کے حسن اور اس کی داخلی حرارت کی مظہر ہے۔ اقبال مغربی تمدن اور اُس کے نسوانی تصورات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک مغرب نے عورت کو آزادی کے نام پر اُس کے فطری وقار سے محروم کر دیا ہے۔ مغربی معاشرے میں عورت کو مرد کی مسابقت پر اُکسایا گیا، جس سے اُس کی نسوانی لطافت اور مادریت کی اہمیت کم ہو گئی۔ اقبال اس طرزِ فکر کو تہذیبی انحطاط کی علامت سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک عورت کی اصل عظمت اُس کی ماں، معلمہ اور تربیت گاہ کی حیثیت میں ہے۔ اگرچہ بعض جدید تانیثی نقادوں کے نزدیک اقبال کا نظریہ نسواں روایتی یا محدود دکھائی دیتا ہے، تاہم حقیقت میں یہ فکر اسلامی توازن اور فطری ہم آہنگی پر مبنی ہے۔

اقبال عورت کو غلامی سے آزاد کر کے اُس کے فطری وقار اور روحانی قوت کی طرف لاتے ہیں۔ اُن کے نزدیک عورت کی اصل آزادی یہ ہے کہ وہ اپنی خودی پہچانے اور اپنے اندر کی روشنی سے دنیا کو منور کرے۔ عصرِ حاضر میں جب مغرب کی تانیثی تحریک عورت کو مرد کے شانہ بشانہ کھڑا کرنے کے نام پر اُس کی فطرت کو مسخ کر رہی ہے، اقبال کی فکر اس کے برعکس ایک ایسا متوازن تصور پیش کرتی ہے جو عورت کی عزت، کردار، اور روحانی عظمت کو برقرار رکھتا ہے۔ وہ عورت کو محض صنف نہیں بلکہ تہذیبِ انسانی کی روح قرار دیتے ہیں۔

آج کا دور سائنس، ٹیکنالوجی اور ترقی کا زمانہ ہے، مگر اسی کے ساتھ اسے عورتوں کی بالادستی اور آزادی کا دور بھی کہا جاتا ہے۔ آج عورت زندگی کے ہر میدان میں گفتگو کا مرکز ہے۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں عورت کے مقام، اس کی حیثیت، یا اس کے حقوق پر بحث نہ ہو رہی ہو۔ ہر مذہب نے عورت کو ایک مخصوص مقام اور عظمت عطا کی ہے، مگر افسوس کہ آج وہی عورت جو عفت و عصمت کی علامت اور پاکیزگی کی مثال تھی، خود ظلم و زیادتی، ذلت و استحصال کا نشانہ بن گئی ہے۔ وہ عورت جس کے قدموں کے نیچے جنت رکھی گئی، آج اپنے ہی سماج میں بے بسی کا استعارہ بن چکی ہے۔ اقبال کے نزدیک عورت محض صنفِ نازک نہیں بلکہ محبت، وفا اور قربانی کی وہ ہستی ہے جس کے وجود سے کائنات کی رنگینی قائم ہے۔ اقبال کے دور میں مشرق زوال پذیر اور مغرب کی تہذیب غالب تھی۔ اخلاقی اقدار ٹوٹ رہی تھیں اور ادب میں عورت محض حسن و جمال کی علامت بن کر رہ گئی تھی۔

اقبال نے عورت کے حوالے سے ہمیشہ اسلامی نقطۂ نظر کو سامنے رکھا۔ وہ عورت کی عزت و حرمت، اس کے کردار اور اس کی تعلیم کے بڑے علمبردار تھے۔ اقبال کے نزدیک عورت کائنات کی روح ہے، زندگی کے ساز میں اس کی ہی نغمگی ہے۔ اقبال کے نزدیک عورت شجاعت، قربانی اور ایمان کا مظہر بھی ہے۔ انہوں نے فاطمہ بنتِ عبد اللہ کو امت کی آبرو قرار دیا جو پہلی جنگِ عظیم میں شہید ہوئیں۔ نظم "فاطمہ بنت عبد اللہ" ملاحظہ کیجیے۔ ان کے نزدیک عورت ماں کی صورت میں رحمت ہے۔ ان کی نظم "ماں کا خواب" میں مادری جذبات، تڑپ، اور محبت کی جو عکاسی ملتی ہے، وہ اردو شاعری میں اپنی مثال آپ ہے:

ے میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں(۱۷)

اقبال عورت کی تعلیم کے زبردست حامی تھے۔ ان کے نزدیک عورت اگر تعلیم یافتہ ہو تو وہ پورے خاندان بلکہ قوم کو سنوار سکتی ہے۔ مگر وہ ایسی تعلیم کے قائل تھے جو تہذیب، ایمان اور اخلاق کے سانچے میں ڈھلی ہو۔ اقبال نے خبردار کیا کہ اگر عورت مغربی تعلیم کے زیرِ اثر اپنی عفت و شرم کو کھو دے تو یہ تباہی کا باعث ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

ے لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
دیکھ لی قوم نے فلاح کی راہ
یہ تماشا دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ(۱۸)

یہاں اقبال کا مقصد انگریزی زبان نہیں بلکہ اس کے ساتھ آنے والی مغربی تہذیب و بے راہ روی ہے۔ اقبال کے نزدیک حقیقی تعلیم وہ ہے جو عورت کو خوددار، پاکیزہ اور صالح بنائے۔ قرآن کی تعلیمات کے مطابق عورت کی تربیت میں دین کا عنصر مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اقبال کے نزدیک حقیقی آزادی یہ ہے کہ عورت اپنی ذات، اپنی روح اور اپنے کردار کی تکمیل کرے، نہ کہ مغربیت کے اندھے بہاؤ میں بہہ جائے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ مغربی عورت کی آزادی نے اخلاقی قدروں کو تباہ کیا ہے، حتیٰ کہ ماؤں نے اپنی ممتا تک قربان کر دی۔ اسی طرح اقبال پردے کے بارے میں بھی واضح موقف رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک بے پردگی نہ صرف عورت کے لیے بلکہ معاشرے کے اخلاقی توازن کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ے رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ، آئینہ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر(۱۹)

یوں اقبال عورت کو معاشرتی اور اخلاقی زندگی کی اساس قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مرد پر لازم ہے کہ وہ عورت کی عزت و حرمت کا محافظ بنے، جبکہ عورت اپنی نسوانیت کو عفت، وقار اور حیا کے ساتھ سنبھالے۔ اقبال کا تصورِ عورت عشق، ایمان، غیرت، علم اور حیا کے حسین امتزاج سے تشکیل پاتا ہے۔ اُن کے نزدیک عورت کائنات کی روح اور امت کی بنیاد ہے، اور اس کی تربیت، عزت اور کردار ہی ایک صالح معاشرے کی ضامن ہیں۔

حوالہ جات

1. https://www.rekhta.org/ghazals/muflisii-sab-bahaar-khotii-hai-wali-mohammad-wali-ghazals?lang=ur

۲۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۳۵

۳۔ راحلیہ طیب، "علامہ اقبال اور عورت"، (کراچی: ماہنامہ "قومی زبان" کراچی، نومبر، ۱۹۸۲ء)

۴۔ راحت ابرار، ڈاکٹر، "مسلم تعلیم نسواں کے سو سال: چلمن سے چاند تک"، (دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۱۱ء)، ص ۳۳

۵۔ ایضاً، ص ۳۵

۶۔ شہناز نبی، ڈاکٹر، "تانیثی تنقید"، (کلکتہ: یونی ورسٹی آف کلکتہ، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۴

۷۔ علامہ اقبال، نظم: "فاطمہ بنت عبد اللہ"، مشمولہ: بانگِ درا، حصہ سوم (نئی دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۷۵ء)، ص ۱۷۵

۸۔ علامہ اقبال، نظم: "عورت کی حفاظت"، مشمولہ: ضربِ کلیم (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۵ء)، ص ۹۵

۹۔ علامہ اقبال، نظم: "عورت اور تعلیم"، ایضاً، ص ۹۶

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ علامہ اقبال، نظم: "ایک سوال"، ایضاً، ص ۹۲

۱۲۔ علامہ اقبال، ابیاتِ فنون لطیفہ: "ہنر وارنِ ہند"، ایضاً، ص۱۲۸

۱۳۔ علامہ اقبال، نظم: "عورت"، ایضاً، ص۹۴

۱۴۔ علامہ اقبال، نظم: " آزادی نسواں"، ایضاً، ص۹۵

۱۵۔ علامہ اقبال، نظم: "عورت اور تعلیم"، ایضاً، ص۹۶

۱۶۔ علامہ اقبال، نظم: "عورت"، ایضاً، ص۹۷

۱۷۔ علامہ اقبال، نظم: "ماں کا خواب"، مشمولہ: "بچوں کے اقبال" از اطہر پرویز، (علی گڑھ: اردو گھر، س-ن)، ص ۳۴

۱۸۔ علامہ اقبال، "بانگِ درا"، حصہ سوم: ظریفانہ، (علی گڑھ: مکتبہ الفاظ، ۱۹۷۵ء)، ص ۲۸۳

۱۹۔ علامہ اقبال، نظم: "عورت"، ایضاً، ص۹۷